علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

تقسیم ہند کا سیاسی و سماجی منظر نامہ اور منٹو کی افسانہ نگاری

The political and social scenario of the partition of India and Manto's fiction.

سیدہ حمیرا عابد

Saydia Humaira Abid

Lecturer, Department of Urdu, University of Mianwali.

ABSTRACT

Sadat Hassan Manto is known as leading and renowned short story writer. He earned lot popularity through his unique writings and conavirical issues taken by him. He was badly criticized in the literary circles throughout his life but he was determine to depict the real picture of the women of the societyparticularly, and done his job very successfully. In this easy his ideas about the partition are highlighted as per his conviction towards indo pack division in the history. It is proved in theeasy that he was justified his idea about humanity and social moral values of the society which was much more acknowledged after his death and he is known as worldwide famous writer in the history of literature. In this easy his valuable status is being described in the light of his writings.

کلیدی الفاظ: تقسیم ہند، حقیقت پسند افسانہ، ہجرت کا المیہ، فسادات اور اردو افسانہ، تقسیم ہند اور سیاسی منظر نامہ

لفظ انقلاب کہنا بہت آسان ہے۔ لیکن دیکھنا اور انقلابی مراحل سے گزرنا بہت مشکل ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے تمام خون کی ندیاں اور انسانی سروں کے مینار لے کر آئے۔ بلکل یہی حال 1947ء کے انقلاب کا تھا اس انقلاب میں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

لاکھوں جانیں برباد ہوئیں اور لاکھوں عزتیں تار تار ہوئیں دل خون کے آنسو روتا ہے پھر بھی جگر تھام کر اگر ان داستانوں کو اکھٹا کیا جائے تو وہ داستانیں بھی لاکھوں ہی ہوں گی۔ 1947ء کے بعد ہندو مسلم فسادات کی آگ تیزی سے بھڑک اُٹھی تھی ۔ لاہور اسمبلی کی سیڑھیوں پر ننگی تلوار پر لہرا کر ماسٹر تاراسنگھ نے یہ اعلان کر دیا کہ سکھ پاکستان کبھی بننے نہیں دیں گے مشرقی پاکستان کے گلی کوچے پھر بھی پاکستان زندہ باد کے نعرے تھرا رہے تھے۔

1947ء کے آواخر آگ اور خون میں لتھڑے ہوئے دن تھے۔ مسلمانوں کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا تھا۔ گلیوں نالوں اور سڑک پر پڑی ہوئی لاشوں کو گدھ اور کتے نوچ رہے تھے۔ مسلمانوں کے محلوں کے محلے ویران ہو چکے تھے۔ لوگ اپنا سب کچھ لٹا کر کیمپوں میں دم بخود بیٹھے تھے اپنی جانیں بچانے کو یہ لوگ ننگے سر پاؤں گھروں سے بھاگے تھے۔ ہزاروں ماؤں کے لال ہندوستان میں بے گور و کفن رہ گئے تھے۔ لاکھوں گھروں کی عصمتیں چوراہوں پر تار تار ہوئیں روزانہ ہزاروں لوگ موت کے گھاٹ اتار دیے جاتے۔ وحشی بلوائیوں کی بربریت کی عصمتیں بچانے کو معصوم و بے بس عورتوں نے خود اپنے سینوں میں خنجر اتارے اور کنوؤں میں چھلانگیں لگائیں۔ جو لوگ بلوائیوں سے جانیں بچا کر مہاجر ٹرینوں پر سوار ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی سینکڑوں منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے ہندو اور سکھ بلوائی رات کی تاریکی میں ان ٹرینوں پر حملہ کر دیتے اور معصوم، بے گناہ، نہتے لوگوں کو اپنی بربریت کا شکار بنا دیتے۔ حکیم محمد طارق محمود لکھتے ہیں:

> "نومبر 1947ء شام واہگہ ریلوے اسٹیشن پر مسلمانوں کا جسم عضیر ہندوستان سے آنے والی مہاجر ٹرین کا خوشی اور بیتابی سے انتظار کرتے ہوئے جوش سے نعرے لگا رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ ٹرین آکر رکی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پر کوئی ذی روح ٹرین سے بر آمد نہ ہوئی۔ لوگوں نے تو کھڑکیوں سے جھانکا اور چیختے ہوئے پیچھے ہٹے۔ کرپانوں سے کٹے ہوئے گلے گولیوں سے چھلنی سینے، جسم سے علیحدہ ہوئے بازو، پھٹے ہوئے پیٹ، خون میں لت پت کئی پٹھی لاشیں ظلم و تشدد کی المناک داستاں سنا رہی تھیں"(1)

تقسیم ہند ایک ایسا سانحہ تھا کہ ہر دل خون کے آنسو رویا ہر آنکھ اشکبار ہوئی۔ انسانی جانوں کا اس سفاکی اور بے رحمی سے ضیاع نا قابل فراموش امر تھا اس المناک سانحہ سے نہ صرف عام انسانوں کی زندگیاں متاثر ہوئیں۔ بلکہ ادب اور اس

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

سے تعلق رکھنے والے ہر حساس دل فرد پر اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ ہر شاعر و ادیب نے اس خونریز سانحہ پر قلم اٹھایا اور انسان اور انسانیت کی اس پامالی پر لہو رویا۔ عام افراد کے مقابلے میں ادیب زیادہ حساس ہوتا ہے۔ معاشرے میں درپیش مسائل کو قلب و ذہن کے خاص آئنے سے دیکھتا اور جانچتا ہے پھر اس کیفیت کو قلم کی مدد سے ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے ۔ فکر و فن کی مہارت سے لکھاری حالات و واقعات کی ترجمانی کرتا ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ہجرت کے باعث رونما ہونے والے واقعات نے بھی ادب میں اہم جگہ پائی اور ادبی ماہرین نے قلم کے زور پر دکھی اور سسکتی ہوئی انسانیت کے کرب کو قلم کی زبان عطا کی۔ نقاد اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "اس دور میں اپنوں کی بے حسی و بے غیرتی، بد نظمی و بد عنوانی لوٹ کھسوٹ، جبر و ظلم اور ناانصافی و ناعاقبت اندیشی پر مبنی موضوعات اردو افسانے میں عام ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مہاجرت و فسادات کے نتیجے میں پیدا ہونے والی واقعات بھی افسانہ نگاروں کی توجہ کا مرکز بنے"(2)

ہماری تاریخ میں انتہائی تکلیف دہ واقعات بھی محفوظ ہیں۔ پاک و ہند کی تقسیم کے واقعات نے ایک سوگوار فضا بھی قائم کر دی تھی۔ کرب و بلا کی یہ حالت تھی کہ انسانیت بھی دم توڑ چکی تھی۔ ایسا محسوس ہونے لگا کہ صبح آزادی اپنے دامن میں خون خرابے کی سوغات لے آئی ہے، ہجرت نے اپنوں سے جدائی کی سوغات دی، فسادات عام ہوئے، کہیں مذہب کے نام پر فسادات کو ہوا دی جانے لگی اور کہیں انسانیت کے نام پر اندوہناک واقعات نے جنم لیا۔ ہندوستان کی تقسیم ایک عظیم سانحہ بن گیا۔ اس کا شدید رد عمل فسادات کی صورت میں سامنے آیا۔ قتل و غارت گری عام ہو گئی، ان واقعات سے تاریخ کے اوراق بھی شرمندہ ہو گئے۔ "فیض احمد فیض" کے الفاظ میں یہ "شب گزیدہ سحر" ہے۔ لوگ ایک دوسرے کی عزت اور خون سے کھیلنے لگے تھے۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان اپنا گھر بار، ساز و سامان، جائیداد اور اپنے پیاروں کو چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر رہے تھے۔ دوسری طرف پاکستان میں رہنے والے ہندو اور سکھ جلدی میں ہندوستان کا راستہ لے رہے تھے ۔ ان حالات سے ادیب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ نظم ہو یا غزل، ناول ہو یا افسانہ، غرض ادب کی ہر صنف نے اس اثر کو اپنے اندر سمو لیا۔ اس طرح ادب نے کروٹ لی اور موضوعات کا رخ بدل گیا۔ تقسیم اور فسادات کے اظہار سے نیا ادب

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

پروان چڑھا۔ پاکستان اور ہندوستان کے ادیبوں نے تقسیم اور ہجرت کے موضوعات پر کئی افسانے لکھے، کہانیاں لکھیں اور ناول قلم بند کیے۔ ان تحریروں میں دردناک چیخیں سننے کو ملتی ہیں۔

اس طرح ادب میں افسانہ نگاری کا رخ بھی بدل گیا۔ قدرتی طور پر افسانہ نگاری ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ تقسیم نے افسانہ نگاروں کو بھی دو الگ الگ خطوں میں بانٹ دیا۔ فسادات سے جنم لینے والے موضوعات میں تین اقسام سامنے آتی ہیں ہیں۔ پہلی قسم ان افسانوں کی ہے جن میں اس خونی المیے سے منسوب کہانیوں کو بنیاد بنا کر لکھا گیا۔ اس میں ظلم پر قلم اٹھایا گیا، بربریت اور لوٹ مار کے ساتھ ساتھ جنسی استحصال کو موضوع بنایا گیا۔ ان افسانوں کو واقعاتی قرار دیا جا سکتا ہے جن میں افسانویت نہیں تھی۔ ان افسانوں سے ماحول میں سنسنی پیدا کی گئی۔ افسانوں کی دوسری قسم وہ ہے جس میں ظلم و ستم کی کہانیاں لکھی گئیں۔ یہ ظلم دونوں جانب سے ہوا۔۔ تیسری قسم ان افسانوں کی تھی جو وقتی بھی تھے اور حادثاتی بھی اور وہ افسانوی تاثیر بھی رکھتے تھے۔

برصغیر کی تقسیم سے متعلق سعادت حسن منٹو کی افسانہ نگاری کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ بالخصوص ایسے افسانے جو پاک و ہند کی تقسیم کے تناظر میں لکھے گئے انہیں منٹو کے شاہکار افسانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ کا عجب المیہ ہے کہ بعض ناقدین نے منٹو کی چند تحریروں کو فحش نگاری کے زمرے میں زیر بحث لانے کی کوشش کی ہے لیکن یہ امر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بے معنی ہوتا جا رہا ہے۔ لہذا منٹو کی افسانہ نگاری اپنے وسیع تر تناظر میں گہرے معاشرتی اور سماجی شعور کی حامل قرار پاتی ہے۔ جب کہ تقسیم ہند اور فسادات پر لکھے ہوئے افسانے اسکا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

سعادت حسن منٹو کا نام اس دور کے ادیبوں، افسانہ نگاروں میں سر فہرست ہے جنہوں نے وہ سب واقعات انسانیت کا وہ وحشی روپ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نہ صرف دیکھا بلکہ پوری شدت سے محسوس کیا اور اپنے قلم سے صفحہ قرطاس پر اتارا۔

منٹو کے افسانے انسانوں کی اس وحشت، بربریت اور مظالم کی داستانوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ منٹو نے انسان کو انسانیت کے درجے سے گرتے دیکھا محبت کو نفرت میں دوستی کو دشمنی میں بدلتے دیکھا، عزتوں کو پامال ہوتے اور گھروں کو خاکستر ہوتے دیکھا ہے۔ اور یہ سارا درد اس کے افسانوں سے چھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ منٹو نے تقسیم ہند اور فسادات کے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

موضوع پر اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ اور مجموعی طور پر موثر افسانے لکھے۔ فسادات کے موضوع کے ساتھ خون آلود انسانیت کی جذباتی وابستگی بھی تھی۔ جس نے منٹو جیسے عظیم فنکار کے بھی بعض اوقات قدم ڈگمگا دیے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کچھ ایسے افسانے بھی ہیں جو فن اور موضوع کے امتزاج کا دلکش نمونہ ہیں۔ اور ادب میں ان کا ایک اہم مقام ہے۔ نگت ریحانہ خان اس حوالے سے لکھتی ہیں کہ:

"سیاسی، معاشرتی، دینی، نفسیاتی اور اخلاقی مسائل کو پہلے مختلف زاویوں سے دیکھتے تب اسے افسانے کے فارم میں ڈھالتے"(3)

منٹو نے افسانہ 'تماشہ' میں جو واقعہ بچے کی آنکھ سے دیکھا کر انتہائی معنی خیز بنا دیا۔ لکھتے ہیں:

"اب، اسے یقین ہو گیا کہ فضا کا غیر معمولی سکون، طیاروں کی پرواز، بازاروں میں مسلح پولیس کا گشت، لوگوں کے چہروں پر اداسی کا عالم اور خونی آندھیوں کی آمد کسی خوفناک حادثے کی پیش خیمہ تھیں"(4)

بچے کی دعا میں کیسا کرب اور گہرائی پوشیدہ ہے:

"اللہ میاں! میں دعا کرتا ہوں کہ تو اس ماسٹر کو جس نے اس لڑکے کو پیٹا ہے، اچھی طرح سزا دے اور اس چھڑی کو چھین لے جس کے استعمال سے خون نکل آتا ہے"(5)

'دیوانہ شاعر' نسبتاً کمزور افسانہ ہے مگر اس میں جلیانوالہ باغ ہی کے سانحے پر زیادہ کھل کر باتیں کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ آئندہ لائحہ عمل بھی تجویز کیا گیا ہے۔ ایک آدھ جگہ افسوس بھی ہوتا ہے جب منٹو 'تماشا' میں لکھے ہوئے اس جملے کو اس افسانے میں بھی دہراتا ہے۔

"موت بھیانک ہے مگر ظالم اس سے کہیں خوفناک اور بھیانک ہے"(6)

افسانہ کے آغاز میں میکسم گورکی کا یہ قول دیا ہوا ہے:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"اگر مقدس حق، دنیا کی متجسس نگاہوں سے اوجھل کر دیا جائے تو رحمت ہو
اس دیوانے پر جو انسانی دماغ پر سنہرا خواب طاری کر دے"(7)

افسانے کی فضا میں شعریت گھلی ہوئی ہے اور ٹالسٹائی کی طرح خطابت بھی، مگر زمین و زماں جانے پہچانے اور مانوس ہیں۔

" آواز اس کنوئیں کے قریب سے بلند ہو رہی ہے جس میں آج سے کچھ
سال پہلے لاشوں کا ایک انبار لگا ہوا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے
دماغ میں جلیانوالہ باغ کے خونی حادثے کی ایک تصویر کھنچ گئی"(8)

افسانے کا سب سے زیادہ جذباتی حصہ اس دیوانے شاعر کی تقریر کا ہے، جس میں نعرے کا ہیجانی خروش، افسانویت پر غالب آ گیا ہے۔

" انقلابی سماج کے قصاب خانے کی ایک بیمار اور فاقوں مری
بھیڑ بہیں، وہ ایک مزدور ہے تنومند، جو اپنے آہنی ہتھوڑے
کی ایک ضرب سے ہی ارضی جنت کے دروازے بند کر سکتا
ہے۔ اس کی لہریں بڑھ رہی ہیں، کون ہے جو اب اس کو روک
سکتا ہے۔ یہ بند باندھنے پر نہ رک سکیں گے"(9)

منٹو غلامی کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے، وہ لوگ جو دوسروں کو غلام بناتے اور کمتر سمجھتے، منٹو انہیں بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسے انگریزوں سے بھی نفرت تھی۔ اس کے افکار و نظریات کا اظہار بھرپور شدت سے 'نیا قانون' میں نظر آیا مگر 'آتش پارے' کی 'خونی تھوک' میں بھی استاد منگو کا سا شعلہ انتقام متحرک نظر آتا ہے۔ متوسط طبقے کے دو نوجوان تعلق اور بے تعلقی کی ملی جلی فضا میں اسٹیشن پر غربت، بدحالی اور غلامی پر مکالمہ کر رہے ہیں کہ ایک انگریز صاحب نے ایک دیسی قلی کو ٹھوکر مار کے گرا دیا۔ قلی نے اپنی جان کی قیمت دس روپے لگتے دیکھ کر صاحب کو اپنے قریب بلایا اور کہا:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"میرے پاس بھی کچھ ہے۔۔یہ لو' یہ کہتے ہوئے اس
نے مسافر کے منہ پر تھوک دیا"(10)

تماشا کی بات کریں تو یہ امر معنی خیز ہے کہ 'تماشا' کا مرکزی کردار یا ناظر بھی خالد ہے 'افسانے کے اختتام پر جذباتی مکالمے ادا کیے گئے ہیں۔جب جج ملزم کو معمولی جرمانے کے بعد بری کر دیتا ہے مگر ان سے ایک استحصالی اور ریاکار نظام معاشرت و قانون کا نقشہ ضرور کھینچ جاتا ہے۔

"قانون کا قفل صرف طلائی چابی سے کھل سکتا ہے۔۔۔۔، مگر
ایسی چابی ٹوٹ بھی جایا کرتی ہے"(11)

انقلاب پسند 'آتش پارے کا سب سے کمزور افسانہ ہے اس میں بے پناہ جذباتیت اور نیم رس خطابت ہے۔ البتہ طاقت کا امتحان،'جی آیا صاحب' اور چوری موثر افسانے ہیں 'طاقت کا امتحان'، متوسط طبقے کی ایسی بے دردی کی کہانی ہے جو نچلے طبقے کی بھوک سے لطف لیتے لیتے ایک مزدور کو موت کی نیند سلا دیتی ہے، جب کہ 'جی آیا صاحب' ایک چھوٹے بچے قاسم کی دردناک کہانی ہے جس کا مالک بے رحم اور خود غرض ہے۔ ننھا قاسم اپنی انگلیوں کو زخمیوں کر کے عارضی طور پر کام سے بچنے کی سبیل پیدا کرتا ہے مگر بلاآخر معذور ہو کر ہسپتال میں زندگی کی آخری سانسیں گننے لگتا ہے۔(افسانوی مجموعے' دھواں' میں اس افسانے کے عنوان میں ہی تبدیلی نہیں انجام کو بدل دیا گیا ہے مگر 'معذوری' وہاں بھی موجود ہے)۔فنی اعتبار سے 'چوری' زیادہ پختہ افسانہ ہے۔ایک بوڑھا بچوں کو اس لمحے روداد سناتا ہے۔جب محرومی اور افلاس کے ساتھ ساتھ مطالعے کے شوق سے مجبور ہو کر اس نے کتاب چرائی تھی اور پکڑا گیا تھا۔ تاہم وہ بچوں سے بعد کی چوریوں کے بارے میں کہتا ہے۔کہ ان پر اسے فخر ہے۔

"یونکہ ہر وہ چیز جو تم سے چرائی گئی تمہیں حق حاصل ہے کہ اب اسے ہر ممکن طریقے
سے اپنے قبضے میں لے آؤ مگر یاد رہے کہ تمہاری یہ کوشش کامیاب ہونی چاہیے ورنہ
ایسا کرتے ہوئے پکڑا جانا اور اذیتیں اٹھانا عبث ہے"(12)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

'نیا قانون' اردو کے شاہکار افسانوں میں سے ہے۔ اس افسانے میں منٹو کا شعور، ریاضت اور معروضیت گھل مل گئے ہیں۔ آپ کے کردار زندہ جاوید کرداروں میں سے ہیں اور عالمی شہرت یافتہ ہیں۔، وہ برصغیر کے معصوم انسانوں کے نمائندہ کردار بھی ہیں جو غلامی اور استحصال سے نفرت تو کرتے ہیں مگر اس کے اظہار کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں رہتے ہیں پھر ان کی خبر اور بے خبری سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا ہاں مگر ان کے خواب اور تعبیر میں بہت فاصلہ ہوتا ہے۔

> "استاد منگو کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا سبب تو وہ یہ بتلایا کرتا تھا
> کہ وہ اس کے ہندوستان پر اپنا سکہ چلاتے ہیں اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے ہیں مگر
> اس کے تنفر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ چھاؤنی کے گورے اسے بہت ستایا
> کرتے تھے وہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے گویا وہ ایک ذلیل کتا ہے"(13)

منٹو نے فسادات کے امن سیاسی، جذباتی اور ذہنی دھچکوں کو فن کے ایک تجربے کی شکل میں اپنے افسانوی مجموعہ "سیاہ حاشیے" میں پیش کیا ہے۔ اس مجموعے میں بارہ (۱۲) کہانیاں شامل ہیں۔ نوعیت کے اعتبار سے یہ انتہائی مختصر افسانچے ہیں۔ ان افسانچوں میں منٹو نے انسان کو یا تو ظالم دکھایا یا مظلوم۔ اس نے ظالموں کو داد دی ہے نہ مظلوموں سے ہمدردی کی ہے اس نے نیک و بد کا فیصلہ اپنے قاری پر چھوڑا ہے ان کا افسانہ "ساعت شیریں" اس کی عمدہ مثال ہے۔

منٹو کے ان افسانچوں میں غصے، رحم یا نفرت کے جذبات نہیں ہیں۔ بلکہ اس نے زندگی میں حیرت و استعجاب کے پہلوؤں کو ابھارا ہے۔ وہ طنزیہ مسکراہٹ سے یہ بتاتا ہے کہ انسان میں بربریت پیدا ہو جانے پر بھی مکمل انسانیت ختم نہیں ہوتی۔ سیاہ حاشیے ایسے افسانچوں کا مجموعہ ہے جو صرف فسادات پر لکھے گئے ہیں۔ ان افسانچوں میں فسادات کے دوران پیش آنے والے واقعات کو چن چن کر بھرپور طنزیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

"سیاہ حاشیے" کے یہ افسانے انتہائی مختصر ہونے کے باوجود اپنے اند ایک مکمل کہانی سموئے ہوئے ہیں۔ ظلم و بربریت کی کہانی انسانیت کے پستی کی طرف سفر کی کہانی اور یہ منٹو کے ہی فنکارانہ ذہن کا کمال ہے کہ وہ اس قدر اختصار میں بھی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

پوری داستان قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ انکا افسانچہ "رعایت" ظالم کی بے رحمی اور مظلوم کی بے بسی کی اک مکمل داستان ہے۔

"سیاہ حاشیے" کے علاوہ بھی اس موضوع پر کئی افسانے ہمیں منٹو کے دوسرے افسانوں میں ملتے ہیں ۔ جن میں فسادات کی کھسوٹ، اغوا اور قتل و غارت کے پس منظر میں انسانی زاویہ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ افسانہ 'موذیل' ایک یہودی فاحشہ عورت کی کہانی ہے۔ جو انتہائی گرے ہوئے کردار کی مالک ہے۔ جو بظاہر اک بہت بے باک اور بے حس عورت ہے جو محبت اور ردی جیسے جذبات سے نا آشنا ہے۔ لیکن فسادات کے موقع پر اس کا اک نیا روپ سامنے آتا ہے۔ وہ اپنے چاہنے والے ترلوچن سنگھ کی منگیتر کو بچانے کے لیے اپنی جان تک دے دیتی ہے۔ افسانہ موذیل میں منٹو نے انسانیت کی پستی کی انتہا دکھائی ہے۔ کہ خون میں لتھڑی ہوئی بے بس عورت کو دیکھ کر بھی بلوائیوں کی حوانیت ختم نہ ہوتی اور موذیل کا برہنہ جسم ان کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ افسانے کے اختتام پر جب ترلوچن سنگھ اپنی پگڑی سے موذیل کے برہنہ جسم کو ڈھانپنے کی کوشش کرتا ہے تو موذیل کا جملہ "لے جاؤ اس کو۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنے مذہب کو۔۔۔۔۔" مذہب پر منٹو کا شدید وار ہے اس بڑا وار مذہب پر کیا ہو گا جو ظاہر کا پرستار ہے۔ جس میں محبت اور ردی نہیں جو انسانیت کا محافظ نہیں۔ موذیل بظاہر ایک برے کردار کی عورت ہے۔ لیکن وہ اپنی جان دے کر اپنا مذہب اور قوم کی تخصیص کے لیے لوگوں کی جان بچاتی ہے اور انسانیت کا حق ادا کرتی ہے۔ نگہت ریحانہ لکھتی ہیں:

> "وہ طوائف کے جسم سے لطف اندوزی کا تصور کیے بغیر اس کے دل کے نہاں خانوں اور اس کے ذہن کی گہرائیوں میں اتر کر درد و کرب کا سراغ لگاتے ہیں اور اس میں ان انسانی قدروں کا سراغ لگاتے ہیں جو ایک نارمل عورت میں ہوتی ہیں۔ تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ کوٹھے والیاں شریف گھرانوں کے عورتوں سے زیادہ حساس، جذباتی اور وفا شعار ہوتی ہیں اور اس کی عمدہ مثال موذیل میں ہے"(14)

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

افسانہ "کھول دو" فسادات کے حوالے سے ایک کامیاب کہانی ہے فنی اعتبار سے اس کہانی کے کامل ہونے میں کوئی شبہ نہیں اس کہانی میں منٹو نے فسادات کے جس پہلو کو موضوع بنایا ہے وہ اس انتشار، آپا دھاپی اور بد عنوانیوں میں اک تلخ حقیقت ہے۔ منٹو کے افسانوں میں دل دہلا دینے والے افسانے بھی ہیں جو رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ ظالموں کی گرفت سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیسی نفسیاتی کشمکش کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کی جھلک بھی منٹو کے افسانوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ظالموں کے ایک اشارے پر مظلوم اور مقید خواتین کس تکلیف دہ حالت اور کیفیت سے گزرتی ہیں، اس کے بارے میں دیکھنا تو درکنار، سوچ کر بھی جسم میں جھرجھری کوند جاتی ہے۔ ڈاکٹر کسی سے کھڑکی کے بارے میں کہتا ہے کھول دو۔ لفظ کھول دو کا سننا تھا کہ لڑکی نیم بے ہوشی کی حالت میں بھی لاشعوری طور پر اپنے باپ اور ڈاکٹر کے سامنے اپنا ازار بند کھولنے لگتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معصوم بے بس، اور مجبور لڑکی کے ساتھ معاشرے کے ان سفاک بھیڑیوں نے کیسا بھیانک ظلم و جبر کیا ہو گا۔ کہانی کے آخری حصے میں منٹو نے جن واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ موضوع کے اعتبار سے ایسے تلخ حقائق ہیں جن سے آنکھیں چار کرنے کی ہمیں سکت نہیں۔ اس کیفیت میں درد، کسک، تلخی اور ہمدردی کے جذبات اس طرح ملے جلے نظر آتے ہیں کہ ذہن شعوری کوشش کے باوجود اس تاثر سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا اور یہ مصنف کی سب سے بڑی کامیابی ہے اس افسانے میں منٹو نے انسان کو گھناؤنے روپ کو بے نقاب کیا ہے۔ کہ جسے دیکھنے کی تاب ہم میں نہیں ۔ منٹو نے بڑی سفاکی سے فسادات کا ایک دردناک اور خوفناک پہلو ہمارے سامنے رکھا ہے۔ بقول ڈاکٹر فردوس انور قاضی:

> "کھول دو دکھ کی ایسی کہانی ہے جو انسان کی انسانیت پر ایک کاری زخم کی حیثیت
> رکھتی ہے" (15)

منٹو نے اپنے افسانوں میں خواتین کے کرب کو بھی اجاگر کیا ہے۔ تقسیم ہند کے دوران خواتین کی عظمتیں پامال ہوئیں۔ افسانہ "محبوس عورتیں" ان ہزاروں بے بس، لاچار اور مجبور عورتوں کا المیہ ہے کہ جن کی زندگیاں سیاست کے اکھاڑے بازی اور مذہب کے جنون کی نظر ہو گئیں۔ یہ ان پچاس ہزار عورتوں کی کہانی ہے۔ جو فسادات کے دوران بے لگام شہوانیت اور مخالفین کی شہزوری کا نشانہ بنیں۔ یہ ان مظلوم عورتوں کی داستان ہے جنہیں بازیابی کے بعد اپنوں نے قبول نہ کیا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اور ان بچوں کا المیہ ہے جو کئی بے بس عورتوں نے اپنی مجبور کوکھ سے پیدا کیے۔ افسانے کے اختتام پر منٹو نے ایک سوال اٹھا کر انسانیت اور معاشرے کے دوہرے معیار اور دوغلے پن پر زوردار طمانچہ رسید کیا ہے وہ لکھتا ہے:

"ہم جانور پال سکتے ہیں۔ حیوانوں کو اپنے سینے سے لگا سکتے ہیں کیا ہم ان
عورتوں اور ان بچوں کو اپنے گھروں میں جگہ نہیں دے سکتے" (16)

اس طرح افسانہ "ٹھنڈا گوشت" بھی فسادات کے پس منظر میں ایک جنسی مسئلہ ہے۔ لیکن باوجود اپنی عریانی کے فنی اعتبار سے ایک مکمل افسانہ ہے مگر اس افسانے کی وجہ سے منٹو پر جنس نگاری کا الزام لگایا گیا اور مقدمہ چلایا گیا۔ امر تاثر پریتم اس حوالے سے لکھتی ہیں:

"منٹو نے ان لوگوں کو دیکھا جن کی آتما مر چکی ہوتی ہے۔ اور وہ زندہ
لاشیں جہاں سے بھی گزر جائیں اپنے پیچھے عجیب سڑاند چھوڑ جاتی ہیں۔
اور منٹو نے جب ان کے ٹھنڈا گوشت کا ذکر کیا گیا تو اپنی ہی سڑاند سے
گھبرانے والوں نے منٹو کو مجرم کہا" (17)

بظاہر وہ بیہودہ اور جنسی گمراہی کی ترغیب دینے والا یہ افسانہ، انسانیت کے دوغلے پن، اس کی دورنگی اور فریب کاریوں کا آئینہ ہے۔ منٹو نے اپنے افسانوں میں فسادات پر بھی ایک منفرد انداز سے قلم اٹھایا۔ افسانہ "سہائے" میں وہ فسادات کے متعلق اپنے آغاز میں لکھتے ہیں:

"یہ مت کہو ایک لاکھ ہندو اور ایک لاکھ مسلمان مرے ہیں۔۔۔۔ یہ
کہو کہ دو لاکھ انسان مرے ہیں۔ اور یہ اتنی بڑی ٹریجڈی نہیں کہ دو
لاکھ انسان مرے ہیں۔ ٹریجڈی اصل میں یہ ہے کہ مارنے والے اور
مرنے والے کسی کھاتے میں نہیں گئے" (18)

جُگل اور ممتاز اور سہائے یہ تینوں کردار فسادات کے عہد کے نمائندہ ہیں۔ منٹو نے فسادات کے دوران پیدا ہونے والے جذباتی الاؤ کو ان کرداروں کے ذریعے پیش کیا کی کس طرح برسوں کے بنائے رشتے ٹوٹ گئے۔ محبت کی جگہ نفرت نے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

لے لی اور ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے والے اک دوسرے کی جان کے دشمن بن گئے۔ افسانہ "گورمکھ سنگھ کی وصیت" اس پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے میں منٹو نے ان المیے کو ابھارا ہے جس نے محسنوں کے احساس فراموش کرا دیے۔ سنتوکھ سنگھ کے سامنے اس کے محسن کا گھر جل کر خاک ہو گیا۔ اس کے محسن کی بیٹی اپنی عصمت گنوا بیٹھی اثاثے جل کر بھسم ہو گئے۔ لیکن اس کا سانحہ کا سنتوکھ سنگھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ نفرت کی آگ اتنی شدید تھی کہ وہ اعلی انسانی اقدار، صلہ رحمی اور دکھ درد میں شرکت کے جذبے کو بھی نگل گئی۔ لوگوں نے معذوروں اور حالات کے ستائے ہوئے لوگوں کو بھی معاف نہ کیا اور ظلم بربریت کا نشانہ بنایا۔ تقسیم ہند ایک المناک سیاسی حادثہ تھا۔ اس عہد کے لکھنے والوں کے یہاں اخوت اور محبت کے رشتوں کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا عمل دکھائی دیتا ہے۔ انسان اپنی خود غرضی اور مذہبی تعصب کے باعث نفرت کی انتاہی بلندی پر پہنچ چکا تھا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ افسانہ نگاران حالات سے بری طرح متاثر ہوئے۔ سعادت حسن منٹو کا افسانہ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" اردو ادب کی ایسی ہی ایک دین ہے جو عالمی ابیات کو سر فراز کرنے کا سبب بنی۔ تقسیم کے پس منظر میں لکھا ان کا یہ افسانہ ایک کلاسیک کی حیثیت رکھتا ہے۔ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" بظاہر ہر ہندوستان اور پاکستان کے پاگل خانوں کے تبادلے کی کہانی ہے۔ مگر دراصل کہانی میں منٹو نے تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت اور دونوں ملکوں کی مضحکہ خیز پالیسوں کو قلمبند کیا ہے۔ انہوں نے اس کہانی میں انسان کی اپنی مٹی سے محبت کی شدت کو بھی بیان کیا ہے۔ وہ محبت جو سیاست اور مذہب کی لگائی ہوئی باڑوں اور دیواروں کو ماننے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس کہانی کے مرکزی کردار کا اصل نام بشن سنگھ بن جاتا ہے۔ وہ اس ملک میں جہاں اسکا وطن ٹوبہ ٹیک سنگھ نہیں تھا، جانے سے انکار کر دیتا ہے اور موت کو گلے لگا لیتا ہے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں انسانی محبت کا عکس نظر آتا ہے۔ بھائی چارہ جو انسان کی پہچان ہے۔

یہ افسانہ تقسیم کے دو تین سال بعد کے پس منظر میں لکھا گیا اس افسانے میں تقسیم کے بعد دونوں حکومتوں کی لغو پالیسیوں کے نتیجے میں ہونے والے انسانی المیہ کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس افسانے میں منٹو نے پاگلوں کی زبان سے وہ کہلوایا ہے جو ایک صحیح الدماغ شخص کہنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ ان کے افسانے کے پاگل خانے دراصل دونوں ملکوں کا استعارہ ہیں اور ان میں رہنے والے پاگل دونوں ملکوں کے عوام ہیں۔ جنہیں ہجرت کے آلام و مصائب سے گزرنا پڑا۔ فسادات کی پیدا کی ہوئی پریشان کن فضا میں یہ ایک ایسا موضوع ہے جسے بظاہر آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ منٹو کے ہم عصروں میں سے کسی نے بھی اس پہلو پر توجہ نہیں دی اگر توجہ دی بھی تو اسے اس انداز سے محسوس نہ کیا کہ ان کے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

افسانے کا موضوع بن جاتا۔ فسادات اور پاگل بظاہر بڑی بے جوڑ سے بات ہے لیکن منٹو کی یہ خاصیت ہے کہ وہ معمولی بات کو بھی غیر معمولی بنا دیتا ہے۔ یہ کہانی انتشار کے بعد کی ایسی گونج ہے جو اپنی انفرادیت کے ساتھ ساتھ نمایاں طور پر ادب میں سنائی دیتی ہے۔ نگہت ریحانہ لکھتی ہیں:

> "منٹو نے بڑے لطیف اشاروں سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ اس چار دیواری سے باہر بھی خطرناک پاگلوں کی کمی نہیں ۔جن کی تخریبی ذہنیت اور طاقت نہ صرف زمینوں کے بٹوارے کر دیتی ہے۔ بلکہ شخصیتوں کو بھی دو نیم کر دیتی ہے دلوں کے بٹوارے کر دیتی ہے اور تعلقات میں دراڑیں ڈال دیتی ہے"(19)

اسی طرح منٹو کا ایک افسانہ "مزدور" فسادات کے پس منظر میں غربت افلاس اور اس سے پیدا ہونے والے انسانی کرب اور مجبوری کی خوبصورت عکاسی کرتا ہے۔ رام کھلاون، ہرنام کور، ڈارلنگ، عزت کے لیے، وہ لڑکی اور انجام بخیر وغیرہ ۔وہ افسانے ہیں جو اپنے کرداروں کے ذریعے تقسیم کے پس منظر میں انسانی سفاکیت کی روداد بیان کرتے ہیں۔ آخری سلوٹ ، ٹیٹ وال کا کتا اور یزید ایسے افسانے ہیں جو تقسیم کے پس منظر میں کشمیر کے تنازعہ پر لکھے گئے۔ منٹو تقسیم اور فسادات کو اپنے لاشعور سے کبھی نہ نکال سکا۔ برصغیر کی تقسیم میں عجلت تھی یا کوئی خلا؟ حیوانیت نے انسانیت کو بے بس کر کے رکھ دیا انسانیت پر جو زخم لگے ان میں بڑا زخم یہ ہے کہ ایک زمین پر صدیوں تک ساتھ رہنے والے باسیوں نے ہی ایک دوسرے کا خون کیا، آبروریزیاں کیں اور مال و اسباب لوٹا۔ مذہب کے نام پر انتہائی بے مذہب لوگوں نے، جن کا مذہب حوس، لالچ، حرص، زمین اور دوسروں کا مال تھا، اپنے جیسے انسانوں پر حیوان بن کر ٹوٹ پڑے۔ منٹو نے ان زخموں کو اپنے دل پر لگا محسوس کیا اور پھر یہ محسوسات موت کی وادی تک اس سے الگ نہ ہو سکے۔ بقول سید وقار عظیم:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

"منٹو نے اپنے گرد و پیش کی دنیا کے ان گنت پہلوؤں کو دیکھا ہے
اور جو کچھ دیکھا ہے اسے ایک اہم فرض کی طرح افسانے کا
موضوع بنانے کی کوشش کی ہے"(20)

منٹو نے فسادات کے موضوع پر بہت سے افسانے تخلیق کیے۔ منٹو بنیادی طور پر حقیقت نگاری کے دبستان کا نمائندہ افسانہ نگار ہے۔ اس کے بیشتر افسانوں کی زندگی کی وہی تصویر کشی نظر آتی ہے جو اس نے معاشرے میں دیکھی۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

"اس کا احساس اتنا شدید ہے۔ اس کی نظر اتنی گہری اور اس
کا تخیل اتنا بلند ہے کہ وہ زندگی کے سمندر سے حقائق کے
موتی نکال ہی لاتا ہے"(21)

فسادات کے حوالے سے منٹو کے افسانے اس لیے بھی اہم ہیں کہ ان کا انداز معروضیت لیے ہوئے ہے۔ وہ کسی مذہب کے طرف دار نہیں۔ وہ انسانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے فسادات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس درد کو خود محسوس کیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"سعادت حسن منٹو اور اس کے افسانے بلاشبہ اردو ادب میں ایسے
آئینے ہیں۔ جن میں ان کے عہد کی تصویر نظر آتی ہے"(22)

فسادات کے موضوع پر بہت سا ادب تخلیق ہوا لیکن سعادت حسن منٹو کے افسانوں میں فسادات کی جو حقیقی تصویر نظر آتی ہے وہ کہیں اور دکھائی نہیں دیتی۔ منٹو کے افسانوں میں ہمیں فسادات اور تقسیم ہند کا عہد سانس لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

حوالہ جات

1۔ حکیم محمد طارق محمود چغتائی، "۱۹۴۷ء کے مظالم کی کہانی خود مظلوموں کی کہانی" لاہور: علم و عرفان پبلشر 2003ء ص30

2۔ فرمان فتح پوری، "اردو کا افسانوی ادب" لاہور: عالمین پبلیکیشنز 1988ء ص127

3۔ نگہت ریحانہ، "اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ" دہلی: دہلی کلاسیکل 1986ء ص169

4۔ سعادت حسن منٹو، "تماشہ" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص23

5۔ سعادت حسن منٹو، "تماشہ" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص24

6- سعادت حسن منٹو، "دیوانہ شاعر" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص32

7- سعادت حسن منٹو، "دیوانہ شاعر" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص32

8۔ سعادت حسن منٹو، "دیوانہ شاعر" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص33

9۔ سعادت حسن منٹو، "دیوانہ شاعر" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص33

10۔ سعادت حسن منٹو، "نیا قانون" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص78

11۔ سعادت حسن منٹو، "دیوانہ شاعر" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص79

12۔ سعادت حسن منٹو، "چوری" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص110

13۔ سعادت حسن منٹو، "نیا قانون" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص79

14- نگہت ریحانہ، "اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ" دہلی: دہلی کلاسیکل 1986ء ص180

15- سعادت حسن منٹو، "کھول دو" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص134

16- سعادت حسن منٹو، "محبوس عورتیں" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص776

17- امرتا پریتم، "سیاح لطیف" ماہنامہ حرف جعفر، فیصل آباد: شمارہ اپریل، مئی 2007ء ص18

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

18-سعادت حسن منٹو، "سہائے" مشمولہ "منٹو کے سو افسانے" لاہور: اسلم عصمت پرنٹر 2006ء ص390

19-نگہت ریحانہ، "اردو مختصر افسانہ فنی و تکنیکی مطالعہ" دہلی: دہلی کلاسیکل 1986ء ص176

20-وقار عظیم سید، "نیا افسانہ" علی گڑھ: علی گڑھ یونیورسٹی ایجوکیشنل بک ہاؤس، س۔ن ص160

21-ڈاکٹر عبادت بریلوی، "افسانہ اور افسانے کی تنقید" ص189۔190

22-ڈاکٹر سلیم اختر، "افسانہ اور افسانہ نگار تنقیدی مطالعہ" لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز 1991ء ص147